باب۔٦

ترجمہ

فص اسحاقیہ

حکمت حقیہ

فداء نبی ذبحُ ذِبح بقربان وا ین ثواج الکبش من نوس انسان

کیا نبی کا فدیہ قربتِ حق کے لیے ایک ذبیحے کا ذبح کرنا ہے، کہاں مینڈھے کی آواز اور کدھر انسان کی آواز

وعظمۃ اللہ العظیم عنایۃ بہ او بنا لم آدر من ایّ میزان

اللہ جلت عظمتہ نے اس ذبیحے کو عظیم فرمایا، یہ عنایت واہتمام کس جہت سے ہے

کیا اس ذبیحے کی جہت سے ہے، یا ہم لوگوں کی جہت سے ہے، نہ معلوم یہ کس حساب سے ہے

ولا شک ان البدن اعظم قیمۃ وقد نزلت عن ذبح کبش بقربان

بے شک بدنہ یعنی اونٹ اور گائے کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اور ایک اونٹ یا گائے سات آدمیوں کا ذبیحہ ہو سکتی ہے مگر

یہاں حضرت اسماعیلؑ کی قربانی میں گائے اور اونٹ عظیم اور بڑے نہیں سمجھے گئے، بلکہ مینڈھا عظیم سمجھا گیا

فیا لیت شعری کیف ناب بذاتہٖ شخیص کبش عن خلیفۃ رحمان

کاش معلوم ہوتا کہ چھوٹے قد کا مینڈھا خلیفۂ رحمان یعنی حضرت اسماعیلؑ کا قائم مقام کیوں کر ہوا

الم تدر ان الامر فیہ مرتب وفاء لادباح ونقص لخسران

کیا تمھیں معلوم نہیں کہ فدیہ دینے میں اور صاحب فدیہ میں مناسبت کا لحاظ رکھا گیا ہے

کمانے والے کے لیے کمال ہے اور کوتاہی کرنے والے کے لیے خسارت اور ٹوٹا ہے

فلا خلق اعلیٰ من جماد وبعدہٗ نبات علی قدر یکون واوزان

کوئی مخلوق قوسِ نزولی میں جماد سے اعلیٰ نہیں۔ اس کے بعد نباتات ہیں

مخلوقات میں سے ہر ایک اپنی قدر و مرتبت اور اندازے پر ہے

وذوالحس بعد النبت والکل عارب بخلاقہ کشفا وایضاح برھان

نباتات کے بعد حیوانات کا مرتبہ ہے جو حس و حرکت والے ہیں۔ ہر ایک اپنے خالق کو کشف اور صاف واضح دلائل و براہین سے جانتا ہے۔ {حدیث میں آیا ہے کہ عذاب قبر کا علم سب کو ہے بجز جن وانس کے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ صاحبِ عقل و فکر ہیں}

واما المسمّیٰ آدم فمقید بعقل او فکر او قلادۃ ایمان

لیکن جس کو آدم کہتے ہیں اور وہ ہنوز کشف و شہود کو نہیں پہنچا

اس کے پیروں میں عقل و فکر کی بیڑیاں، یا اس کے گلے میں تقلیدی ایمان کا گلوبند ہے

بذا قال سھل والمحقق مثلنا لانّا وایّاھم بمنزل احسان

اس مسئلے کو سہل تستریؒ اور دیگر محققین نے کہا ہے، کیوں کہ ہم اور وہ مرتبہ احسان میں ہیں

یعنی اعبداللہ کانک تراہ یعنی خدا کی ایسی عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھتے ہو

فمن شھد الامر الذی فاشھدتہٗ یقول بقولی فی خفاء واعلان

پس جس نے اس امر کو مشاہدہ کیا، جسے ہم نے مشاہدہ کیا ہے

وہ تو ہمارے ہی قول کا قائل ہو گا، خفیتاً ہو یا علانیتاً ہو

ولا تلتفت قولا یخالف قولنا ولا تبذر السمراء فی ارض عمیان

اس قول کی طرف التفات نہ کرو جو ہمارے قول کے مخالف ہے

حقائق کے گیہوں، ان دل کے اندھوں کی زمین میں ہرگز نہ بو

ھم الصم والبکر الذین اتی بھم لاسماعنا المعصوم فی نصّ قرآن

یہی لوگ صمٌّ و بکمٌ ہیں یعنی گونگے اور بہرے ہیں، ہمارے سنانے کو رسولِ معصوم نے نص قرآن (قرآن کے متن) میں بیان کیا، اللہ ہماری بھی تائید کرے اور تمھاری بھی۔

جاننا چاہیے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے صاحبزادے اسماعیلؑ سے فرمایا کہ میں خواب میں "تم" کو ذبح کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ خواب، حضرتِ خیال اور عالم مثال ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس خواب کی تعبیر نہ فرمائی۔۔۔ اس لیے کہ خواب تعبیر و مجاز ہے اور مظنۂ خطا (یعنی اس میں غلطی کی گنجائش ہے) اور احتمالِ عقلی ہے۔ اصل حقیقت و مشاہدہ و رویاے صادقہ ہے اور ظاہر صورت میں کمالِ اطاعت ہے (دراصل) وہ ایک مینڈھا تھا جو ابراہیمؑ کے فرزند، اسماعیلؑ کی صورت میں ان کو خواب میں دکھائی دیا تھا۔ ابراہیمؑ نے ظاہر خواب کی تصدیق کی، کیوں کہ اس پر عمل کرنا دشوار تھا اور تعبیر میں سہل گیری و خود غرضی کا

احتمال تھا۔ بس اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کا فدیہ دیا۔ کیا فدیہ دیا؟۔۔۔ بڑی قربانی دی (کہ) جنت کا مینڈھا بھیجا۔ بے جھگڑے جان دینے میں اسماعیلؑ اور اس میں مشابہت و مناسبت تھی۔ باپ بیٹے دونوں کی اطاعت و جاں بازی کا امتحان بھی ہو چکا تھا۔ جس کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا تھا، مینڈھا تھا، مگر بصورت اسماعیلؑ تھا تو فدیہ کہاں ہوا۔! وہی تو ذبح کیا گیا جس کو حقیقتاً ذبح کرتے دیکھا۔ چوں کہ خواب حضرت ابراہیمؑ کا تھا۔ یہ خیالی صورت حضرت ابراہیمؑ کے ذہن کی تھی (جب کہ) آپ نے عمل میں تعبیر کا پہلو اختیار نہیں کیا تھا۔ لہٰذا خیالِ حضرت ابراہیم کی مناسبت میں خداے تعالیٰ نے 'فدا' کا لفظ استعمال فرمایا۔ حالاں کہ خداے تعالیٰ کے نزدیک ان کے خواب کی تعبیر مینڈھا ہی تھا۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ اس خواب سے تعبیر مقصود ہے اور حقیقتاً مقصود نہیں۔

تجلیِ صوری، عالم خیال میں ہوتی ہے۔ اس کو دوسرے علم یعنی علم تعبیر کی ضرورت ہے۔ علم تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس صورت سے کیا مقصود ہے۔

دیکھو! رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ان کی تعبیر کے متعلق فرمایا کہ کچھ تم نے صحیح کہا اور کچھ تم نے خطا کی۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے آپؐ سے عرض کیا کہ مجھے بتائیے کہ میں نے کیا صحیح کیا اور کیا غلط۔ تو آپؐ نے ایسا نہ کیا، (یعنی اُنہیں اس کا مکمل جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔۔ مرتب)۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے فرمایا، وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا، (یعنی) جب {اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو} پکارا، او ابراہیم، تم نے بے شک خواب کو سچا کر دکھایا، (الصّافات: ۱۰۴، ۱۰۵)۔ ان سے یہ نہیں فرمایا کہ تم اپنے خواب میں سچے تھے کہ مذبوح تمھارا فرزند ہے۔ ابراہیمؑ خلیل اللہ نے اس خواب کی تعبیر نہ کی بلکہ انھوں نے ظاہر صورت کو اختیار کیا تھا جس کو انھوں نے دیکھا، اور جو احوط (یعنی احتیاط) اور اطاعت کے پہلو میں اقرب (اور نہایت پاس) تھا۔ خواب تو تعبیری تھا اور تعبیر کا طالب تھا۔

{بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا کہ وہ اپنے فرزند کو ذبح کرتے ہیں، نہ کہ وہ ذبح کر چکے ہیں۔ یعنی آپ نے دیکھا کہ فرزند کو لٹایا ہے، ہاتھ میں چھری لی ہے، اور حلقوم پر پھرائی ہے۔ بیداری میں وہی ہوا جو ابھی خواب میں دیکھا تھا۔ جب ابراہیمؑ کا عزم پورا ہو گیا، فرزند کی اطاعت ثابت ہو چکی، مقدماتِ ذبح پورے ہو چکے، اور باپ بیٹے دونوں امتحان میں کامیاب ہو چکے تو خداے تعالیٰ کی رحمت نے جوش مارا۔ چھری کند ہو گئی، فرزند کا گلا کٹنے نہ پایا۔ اور مینڈھا قربانی کے لیے بھیجا گیا۔ قربانی کی گئی اور وہ مقبول بھی ہو گئی۔ لہٰذا حضرت ابراہیمؑ کا خواب رویاے صادقہ تھا۔ تعبیر طلب خواب نہ تھا۔ اور نہ اس میں حضرت ابراہیمؑ کے وہم و خیال کو کچھ دخل تھا}۔

عزیز مصر نے ارکان سلطنت سے کہا، میرے خواب کی تعبیر دو۔ إِن كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ، (یعنی تعبیر بتاؤ) اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو، (یوسف: ۴۳)۔ تعبیر کے معنیٰ ہیں صورتِ خواب سے مقصود و مراد کی طرف عبور کرنا۔ تجاوز کرنا۔ پس حضرت یوسف نے دبلی گائے کو قحط سالی سے (اور) موٹی گائے کو فراخ سالی سے تعبیر کیا۔

اگر ابراہیمؑ کا خواب رویاے صادقہ ہوتا تو وہ اپنے فرزند کو ذبح کیے ہوتے۔ بلکہ حضرت ابراہیم نے بغرض احتیاط اس پر محمول کیا کہ شاید مذبوح آپ کے فرزند ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کے خیال میں جو صورت تھی اس کے لحاظ سے فدیہ دیا۔ حالاں کہ عند اللہ اور نفس الامر میں (فدیہ) تھا ہی نہیں۔ حسی صورت تو مینڈھے کی تھی۔ خیال نے بمناسبت اطاعتِ اسماعیلؑ، فرزند ابراہیمؑ کی صورت دی۔ اگر مینڈھے کو خواب میں دیکھتے تو اس کی تعبیر آپ کے فرزند ہوتے، یا کچھ اور ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، إِنَّ هَـٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ، (یعنی) بے شک یہ بڑا کھلا اور واضح امتحان تھا، (الصافات:۱۰۶) کہ حضرت ابراہیمؑ کیا صورتِ خواب پر عمل کرتے ہیں یا تعبیر دیتے ہیں۔ جو مقام رویا کا اقتضا تھا حضرت ابراہیمؑ نے تعبیر کو ترک فرمایا اور ظاہر صورت پر عمل کرنا چاہا۔ تعبیر کو اس کا حق نہ دیا۔ اور خواب کو سچا کر دکھایا۔

جیسا کہ تقیؒ بن مخلد نے کہا ہے، انھوں نے ایک حدیث میں سنا جو ان کے پاس صحیح ثابت تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ، من رانی فی المنام فقد رانی فی الیقظہ فانّ الشیطان لا یتمثل علیٰ صورتی، یعنی جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا تو اس نے مجھ کو بیداری میں دیکھا، کیوں کہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہوتا (سنن ابن ماجہ، سنن الترمذي، صحیح مسلم، مسند احمد)۔ یہ تو ظاہر ہے کہ شیطان اسم مفصل کا مظہر ہے اور حضورؐ، اسم ہادی کے مظہر ہیں، اور تبلیغ میں تمام لوگوں پر حجت ہیں۔ اگر حضورؐ کی صورت یا آواز میں شیطان تمثل کرے تو صحتِ تبلیغ میں امن باقی نہ رہے گا۔ (یہاں یہ سوالات اٹھتے ہیں) کہ کیا کوئی فرشتہ مثلاً عزرائیلؑ، عاشقانِ روے محمدی کے لیے صورتِ محمدیؐ میں قبضِ روح کے لیے تمثل کر سکتے ہیں؟ یا کوئی فنافی الرسول، ولی یا بعض معانی {جیسے شرع یا احادیثِ نبوی} صورت محمدی میں تمثل کر سکتے ہیں؟۔ محققین علم تعبیر الرویا کے پاس ایسا ثابت ہے۔ عدم تمثل، شیطان کے ساتھ خاص ہے۔ مولانا جامیؒ مطلق عدم تمثل بصورت محمدی کے قائل ہیں۔ اگر کوئی شئے حضورؐ دیں تو (کیا) اس شئے کو بھی حقیقت پر محمول کریں گے یا اس کا تعبیر طلب ہونا بھی ممکن ہے؟۔۔۔ عام علما کا خیال ہے کہ ایسا ہوتا ہے۔ مثلاً حضورؐ نے کسی کو اشرفیاں دیں اور اس سے مراد احادیث ملنا ہو۔ حضورؐ نے دیکھا کہ خواب میں دودھ نوش فرمایا ہے اور اس کا بقیہ حصہ حضرت عمرؓ کو دیا ہے۔ اس کی تعبیر علم سے دی۔ تقیؒ بن مخلد نے حضورؐ کو خواب میں دیکھا اور حضورؐ نے ان کو اُس خواب میں دودھ پلایا ۔ تقیؒ بن مخلد نے اس خواب کو سچا کرنا چاہا اور زبردستی قے کی۔ قے میں دودھ نکلا۔ اگر وہ خواب کی تعبیر دے لیتے تو وہ دودھ علم ہوتا۔ لہٰذا انھوں نے جتنا دودھ قے کیا تھا اتنا ہی علم سے محروم رہ گئے۔

دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دودھ کا پیالہ دیا گیا تھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ میں نے اس کو اس قدر پیا کہ میرے ناخنوں سے سیرابی اور تری نکلی۔ پھر میں نے اپنا پس خوردہ (یعنی پی کر بچایا ہوا) عمر کو دیا۔ آپؐ سے کہا گیا (دریافت کیا) کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی۔۔؟ تو آپؐ نے فرمایا، علم اس کی تعبیر ہے اور دودھ جو خواب میں دیکھا تھا اس کو دودھ ہی پر نہ چھوڑا۔ کیوں کہ آپؐ محلِ خواب اور مقتضائے تعبیر کو جانتے تھے۔

یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ صورتِ جسدی جس کو عالم حس نے مشاہدہ کیا ہے، وہ مدینہ منورہ میں مدفون ہے، اور یہ کہ حضورؐ کی صورت و لطیفۂ روحی کو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔ نہ کوئی کسی کی صورتِ روحی کو یا اپنی ہی صورتِ روحی کو دیکھ سکتا ہے۔ تمام ارواح اسی طرح غیر مرئی و ناقابل دید ہیں۔ رویت، صورتِ مثال کی ہو سکتی ہے نہ کہ روح کی۔

نبی کریمؐ کی روحِ مطہر خواب دیکھنے والے کے لیے اس جسد کی صورت میں متجسد ہوتی ہے (یعنی دکھائی دیتی ہے) کہ جس جسد پر حضورؐ نے وفات پائی۔ کیوں کہ خواب دیکھنے والے کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عصمت و شانِ نبویؐ کی عظمت ہے۔ اسی لیے جو شخص خواب میں دیدارِ نبویؐ سے مشرف ہوتا ہے تو وہ سب چیزوں کو، خواہ اوامر ہو یا نواہی، یا کوئی خبر آپؐ سے لیتا ہے، جیسا کہ عالم حیات میں الفاظ کے موافق کل احکام کو آپؐ سے لیتا تھا یعنی نص یا ظاہر یا مجمل یا متشابہ (یعنی صریح حکم، واضح بات، مختصر ارشاد، اور مشابہ عمل) وغیرہ کہ جس پر الفاظ دلالت کریں۔ پس، وہ باعتبار لفظ کے، بغیر تعبیر کے حکم کو قبول کرتا ہے۔۔۔ پھر اگر حضورؐ نے اس کو خواب میں کوئی چیز مرحمت فرمائی تو اس شئے میں تعبیر ممکن ہے۔۔۔ اور اگر وہ محسوسات میں اسی طرح ظاہر ہو جیسے وہ خیال میں تھی تو اس چیز کی تعبیر نہ ہوگی اور خواب تعبیر طلب نہ تھا۔ بلکہ رویائے صادقہ تھا۔

اسی قدر پر حضرت ابراہیمؑ اور امام تقیؒ بن مخلد نے اعتماد کیا۔ اور اسی پر دونوں کاربند ہوئے۔ اور جب خواب کے یہ دو جہت ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس بارے میں جو ابراہیمؑ کے ساتھ کیا اور ان سے خدا کا لفظ فرمایا۔ ادب سکھایا۔ اس لیے کہ مقام نبوت اسی کا مقتضی تھا۔ اس واقعے سے ہم کو معلوم ہو گیا کہ دیدارِ حق تعالیٰ میں ہم کو کیا حکم لگانا چاہیے۔ اگر حق تعالیٰ کا دیدار کسی ایسی صورت میں ہو جس کو دلیلِ عقلی رَد کرتی ہو تو ہم اس صورت کی کسی امر مشروع (یا شرعی حکم) کے ساتھ تعبیر دیں گے۔ تعبیر باعتبار رائی (یعنی دیکھنے والے کی حالت) کے ہو گی یا باعتبار مکان کی حالت کے ہو گی۔ جس میں اس نے حق تعالیٰ کو دیکھا ہے یا

باعتبار دونوں کی حالتوں کے ہوگی۔ اور اگر اس صورت کو عقل رد نہ کرے تو ہم اس کو اسی صورت پر بلا کم و کاست چھوڑ دیں گے۔ جس صورت پر ہم نے اس کو دیکھا ہے۔ جیسے آخرت میں حق تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ اللہ، واحد و رحمان کے لیے ہر مقام، ہر محل میں بعض مخفی و غیر مرئی صورتیں ہیں، اور بعض ظاہر و مرئی۔ غیر مرئی و مخفی صورتیں کیا ہیں اور کہاں ہیں۔۔۔؟

فللواحد الرّحمٰن فی کل موطن　　　　من الصّور ما یخفیٰ وما ھو ظاھر

حق تعالیٰ حضرتِ احدیت سے فیضِ مقدس (موجود فی الخارج ہونے) کے توسط سے صور اعیان ثابتہ (معلوم الٰہی کی صورتوں) کو جو ہم سے مخفی ہیں اپنے علم میں نمایاں کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی شانِ رحمانیت، فیض مقدس سے عالم شہادت و ناسوت (یعنی اس دنیا) میں اعیانِ خارجیہ میں جو ظاہر ہیں، ترتیبِ آثار کے لیے تجلی فرماتا ہے۔

فان قلت ھٰذا الحق قد تک صادقاً　　　　وان قلت امرا احر انت عابر

اگر ان صورتوں کو دیکھ کر تم یہ کہو کہ ذاتِ حق سے علاحدہ، بالاستقلال نہ پائے جانے کی وجہ سے غیر حق نہیں ہیں تو تم سچے ہو۔ اور اگر اطلاق و تقئید، ظاہر و مظہر کے مابہ الامتیاز کا لحاظ کرکے ان صور کو غیر حق کہو تو تم وحدت سے گزر کر کثرت میں جا پہنچتے ہو۔ اس شعر کے یہ بھی معنیٰ ہو سکتے ہیں کہ قیامت کی تجلی کو حق سمجھو۔ اور خواب و کشف کی تجلیات کو تعبیر طلب سمجھو۔

وما حکمہٗ فی موطن دون موطن　　　　ولکنّہٗ بالحق للخلق سافر

حق تعالیٰ کی تجلیٔ وجودی اور احکام و حالات کسی خاص محل سے خاص اور دوسرے محل سے منافی نہیں ہیں۔ بلکہ وہ حق یعنی تجلیٔ وجودی ہے۔ اعیانِ ثابتہ کے منہ پر سے پردۂ خفا اٹھاتا اور اعیانِ خارجیہ بناتا ہے۔

اذا ما تجلیٰ للعیون تردّہٗ　　　　عقول ببرھان علیہ تثابر

اگر (وہ) ہماری آنکھوں کے سامنے تجلی فرمائے اور ہم صور حسنہ یا مثالیہ میں اس کو مقید سمجھیں تو عقل اس کو رد کرتی ہے۔ دلیل و برہان کے ساتھ جو قائم ہیں۔

ویقبل فی مجلی العقول وفی الذی　　　　یسمّیٰ خیالا والصحیح النواظر

صحیح نظر والے تجلی گاہِ عقل یعنی شانِ تنزیہ میں بھی قبول کرتے ہیں، اور عام خیال میں بھی قبول کرتے ہیں جس میں تشبیہی تجلی ہوتی ہے۔

حضرت ابو زیدؒ بسطامی اس مقام یعنی کشفِ تام و شہود میں فرماتے ہیں، (کہ) اگر عارف باللہ کے قلب کے ایک گوشے میں عرش اور جو کچھ اس کے نیچے ہے، بلکہ اس سے کروڑہا کروڑ درچند سما جائے تو، عارف

کو اس کی حس تک نہ ہو گی۔ ابو یزیدؒ نے تصویر وسعتِ قلب کو عالم اجسام کے لحاظ سے فرمایا ہے، اور میں تصویر وسعتِ قلب اس طرح کھینچتا ہوں کہ اگر عارف کے قلب کے ایک کونے میں کسی غیر متناہی مفروضہ چیز کو {گویہ ممکن نہ سہی} رکھ دیں تو قلبِ عارف اس کی پرواہ تک نہ کرے گا۔ احساس تک نہ کرے گا۔ اس لیے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قلبِ عبدِ مومن میں حق تعالیٰ سما جاتا ہے، اور اس کے ساتھ بھی اس کی پیاس نہیں بجھتی اور سیر ابی نہیں ہوتی، کیوں کہ اگر وہ بھر جائے تو سیر ابی ہو۔ ابو زیدؒ نے اس بات کو فرمایا ہے، (کہ) مرد وہ ہے جو آسمانوں زمینوں کے تمام سمندر پی جائے اور اس کے ہونٹ منہ سوکھے کے سوکھے ہی رہ جائیں۔ ہم نے بھی اس مقام کی طرف اشعارِ ذیل سے اشارہ کیا ہے۔

یا خالق الاشیاء فی نفسہٖ انت لما تخلقہٗ جامع

اے چیزوں کو اپنی ذات میں پیدا کرنے والے، تو جن جن کو پیدا کرتا ہے جامع ومحیط ہے

تخلق ما لا یتناہی کونہٗ فیک فانت الضیق الواسع

تو نامتناہی لاتقف عند حد اشیا کا اپنی ذات میں خالق ہے۔ پس تو باعتبار تعین کے تنگ ہے

اور باعتبار اطلاق کے کشادہ ہے

یا تو باعتبار احدیت کے تنگ ہے کہ وہاں کسی کی گنجائش نہیں اور باعتبار واحدیت کے

تمام مخلوقات کو واسع ومحیط ہے

لو انّ ما قد خلق اللہ ما لاح بقلبی فجر لا الساطع

اگر تمام مخلوقات میرے دل میں ہوں تو ان کے وجود کا سارا نورِ تاباں مخفی ہو جائے گا

من وسع الحق فما ضاق عن خلق فکیف الامر یا سامع

اے سننے والو! جو حق تعالیٰ کو سما گیا ہو تو وہ خلق سے کیوں کر تنگ ہو سکتا ہے اور اس کا کیا حال ہو گا

ارض وسما کہاں تری وسعت کو پا سکے

میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

ہر انسان اپنے خیال میں قوتِ واہمہ ومتخیلہ سے ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے۔ جن کا وجود، سوائے خیال کے، خارج میں موجود نہیں ہوتا، اور یہ امر عام ہے۔ ہر ایک کرتا ہے اور عارف اپنی ہمت، زورِ قلب، قوتِ ارادی سے ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن کا وجود خارج میں محل ہمت وخیال سے باہر ہوتا (ہے)، اور دوسروں کو محسوس (بھی) ہوتا ہے۔ اس کی ہمت اس کی توجہ ہمیشہ اس کی حفاظت کرتی رہتی ہے۔ اور اس خیالی پتلے کی

حفاظت سے اس کی ہمت نہیں تھکتی۔ اگر عارف پر اس خیالی مخلوق کی حفاظت سے غفلت طاری ہوتی ہے تو وہ خیالی مخلوق جس کو اس نے پیدا کیا ہے، معدوم ہو جاتی ہے۔ مگر یہ کہ وہ عارف اپنے دل کی گنجائش کی وجہ سے تمام حضرات یعنی حضرتِ معانی، حضرتِ ارواح، حضرتِ مثالِ مطلق، حضرتِ مثالِ مقید اور حضرتِ حس و شہادت کو حاوی و ضابطہ ہو۔ اس پر پوری غفلت طاری ہی نہ ہو بلکہ اس کے سامنے کوئی نہ کوئی حضرت رہے جس میں اس صورت کا مشاہدہ کرتا ہو۔ اگر عارف کسی چیز کو اپنی ہمت سے کرے اور اس کو احاطۂ کامل ہو تو وہ صورتِ خیالی اپنی صورت پر تمام حضرات میں نمایاں رہے گی۔ اور صورتیں باہم ایک دوسرے کی حفاظت کریں گی۔ کیوں کہ اس کی ہمت بعض صورتوں سے باقی صورتوں میں سرایت کرتی ہے۔

اگر یہ عارف کسی ایک حضرت یا کئی حضرات سے غافل ہو مگر ایک حضرت کا مشاہدہ کرتا ہو اور اس میں اپنی خیالی مخلوق کی حفاظت کرتا ہو تو حضرات کی صورتیں بھی محفوظ رہ جائیں گی۔ اس لیے کہ وہ اس صورت کی حفاظت کرتا ہے جو ایسی حضرت میں ہے جس سے عارفِ مذکور کو غفلت نہیں، کیوں کہ عام غفلت بالکل جہل ہے۔۔۔ نہ عامۃ الناس کے لیے صحیح ہے، نہ خواص کے لیے۔

میں نے ایک ایسے راز کو ظاہر کیا ہے کہ اہل اللہ ہمیشہ اپنے رازوں کے چھپانے پر کوشش کرتے ہیں اور ظاہر کرنے سے دریغ کرتے ہیں۔ کیوں کہ اس غفلت میں ان کے دعوے "من خدا ایم" (یعنی میں خدا ہوں یا خدا مجھ میں ہے) کا رَد ہے۔ کیوں کہ حق جل وعلا کو کسی چیز سے غفلت نہیں ہے۔ بندے کو ضرور ہے کہ کسی نہ کسی شئے سے غفلت ہو۔ پس بندہ اس خیالی مخلوق کے حفظ کے اعتبار سے جس کو اس نے پیدا کیا ہے کہہ سکتا ہے کہ میں حق سے جدا نہیں ہوں۔ مگر بندے کی حفاظت اس صورت کے لیے ایسی نہیں ہے جیسے حق تعالیٰ کی حفاظت ہوتی ہے۔ میں نے تو فرق بیان کر دیا کہ بندہ اس صورت سے ایک حضرت و عالم میں غافل ہے اور دوسرے میں اس سے غافل نہیں۔ حق جلۃ قدرتہ کو کبھی کسی وجہ سے غفلت نہیں ہوتی۔۔۔ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ، [(یعنی) نہ اس کی آنکھوں میں غنودگی آتی ہے اور نہ نیند غلبہ کرتی ہے (البقرۃ: ۲۵۵)]۔ پس اس سے بندہ، حق تعالیٰ سے ممیز ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا حفظ اپنی مخلوقات کو ایسا نہیں، بلکہ وہ ہر صورت کی بالیقین حفاظت فرماتا ہے۔

مسئلہ غفلتِ عبد، وہ مسئلہ ہے کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ اس کو کسی نے {نہ میں نے، نہ کسی اور نے} کسی کتاب میں لکھا ہی نہیں بجز اس کتاب کے۔ پس وہ اِس وقت کا دُرِ یتیم {سیپ میں کا ایک ہی بڑا موتی} اور جوہر فرید ہے۔ اپنے محل غفلت اور بندے ہونے کے قائل رہو۔ اور ادعاے خدائی کا دعویٰ نہ کرو۔ جس

حضرت میں کہ تم کو خیالی صورت کے ساتھ حضور باقی رہتا ہے اس کی مثال اُس کتاب کی مانند ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ، (یعنی) ہم نے اِس کتاب میں کسی چیز کی کوتاہی نہیں کی [کوئی افراط و تفریط نہیں کی (الانعام:۳۸)]۔ یہ کتاب، واقع اور غیر واقع دونوں کو جامع ہے۔ اس بات کو وہی سمجھتا ہے جو بذاتہٖ قرآن ہو یعنی حقائق و معارف کا کتابِ جامع ہو۔ اس لیے کہ متقی پرہیز گار کے لیے اللہ تعالیٰ فرقان، یعنی قوتِ امتیاز عطا کرتا ہے۔ جس سے وہ حق و باطل، رب و عبد، میں فرق کر سکتا ہے۔ یہ فرقان و امتیاز دوسرے فرقان و امتیازات سے اعلیٰ و ارفع ہے کیوں کہ اللہ کی ایک صفت کو دوسری صفت سے تمیز نہ کر سکیں یا ایک بندے کی حقیقت کو دوسرے بندے کی حقیقت سے امتیاز نہ کریں تو اتنا فساد انگیز نہیں، جتنا رب و عبد میں بے تمیزی کرنے سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔

فوقتا یکون العبد ربا بلاشک　　　　ووقتا یکون العبد عبدا بلاافک

کبھی بندہ فنا کی حالت میں رہتا ہے تو جہتِ عبد، نابود و مضمحل ہوتی ہے، اور کبھی مقام بقا، بعد الفنا میں رہتا ہے تو وہ بے شک عبدِ کامل رہتا ہے۔

فان کان عبدا کان بالحق واسعا　　　　وان کان ربا کان فی عیشۃ ضنک

اگر عبدِ کامل ہو گا تو وہ تجلی گاہِ حق ہو گا، اور انوارِ حق اس سے نمایاں ہوں گے۔ اگر وہ ربوبیت کا مدعی ہو گا تو ہر ایک اپنے حاجات کا اس سے مطالبہ کریں گے، اور وہ اس سے عاجز ہو گا۔ زندگی اس پر تنگ ہو جائے گی۔

فمن کونہ عبدا یریٰ عین نفسہٖ　　　　تتیع الآمال منہ بلا شک

وہ عبد کامل ہونے کی صورت میں اپنی حقیقت اور عدم ذاتی کو دیکھے گا۔ اور جو لیتا ہے خدا اسے لے گا۔ اور اس وقت اس کی امیدیں بے شک وسیع ہوں گی۔ کیوں کہ دینے والے کی قدرت وسیع ہے، اور یہ بیچ میں نہیں ہے۔

ومن کونہٖ ربا یری الخلق کلہٗ　　　　یطالبہ من حضرۃ المُلک والمَلک

(وہ) ادّعاے ربوبیت کی جہت سے تمام خلق کو دیکھتا ہے، کہ ملک و ملکوت سے اپنا اپنا حق طلب کرتے ہیں۔

ویعجز عما طالبوہ بذاتہٖ　　　　لذا تریٰ بعض العارفین یبک

وہ ان کے مطالبات کے بذاتِ خود پورا کرنے سے عاجز ہے۔ یہی وجہ تو ہے کہ اپنی عاجزی کا احساس کر کے بعض عارفین روتے ہیں، اور آخر میں ان کو اپنی بندگی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

فکن عبد رب لا تکن رب عبدہٖ فتذھب بالتعلیق فی النار والسبک

لہٰذا تو رب کا عبد بن۔ اس کے بندوں کا رب نہ بن کہ ان تعلقات کی وجہ سے تو آتشِ امتحان میں پڑ جائے۔ اور ساری ادّعاے خدائی گداختہ ہو کر رہ جائے، (یعنی خدائی کا دعویٰ سب پگھل کر ہی رہ جائے)۔

Siddiqui Publications